انتخاب

سارہ عمر

''بس بہت ہوگیا، آج تمہیں ہم دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔'' آج بھی ان کے لہجے میں ان کا ازلی جلال بول رہا تھا۔ وہ جانتے تھے انتخاب انہی کا ہوگا بھلا آج تک کسی کو انکار کرنے کی ہمت ہی کب ہوئی تھی۔ اس نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ ایک لمحے کو سامنے کھڑے دونوں مردوں کے چہرے دھندلا گئے تھے۔

''ایسا مت کریں میرے ساتھ۔'' اس نے انہیں منانے کی کوشش کی مگر وہ ملک تیمور ہی کیا جو کبھی کسی کی بات مان لیں۔

''فیصلہ کرو کون ہے تمہارا انتخاب یہ شخص یا میں؟''

انہوں نے کندھوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑا، مدمقابل تو ہونٹوں پہ قفل لگائے بے یقینی کی سی کیفیت کا شکار تھا۔

کئی سال پہلے بھی وہ ان حالات سے گزر چکی تھی۔ وہ دن آج بھی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ اس کی یادداشت میں تازہ تھا۔ وہ اپنے دل سے سوال کرتی تو یقیناً اس کا فیصلہ مختلف ہوتا۔ وہ ان لمحات کو یاد کرتے ہی ایک لمحے کو چونکی اور دو قدم پیچھے ہوئی۔

''ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔'' یہ الفاظ نہیں پگھلا ہوا سیسہ تھا جو ان کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا۔

وہ اپنی محبت کا ہاتھ تھامے ان کی نظروں سے اوجھل ہوئی تو ملک تیمور اپنے قدموں پہ کھڑے نہ رہ پائے اور وہیں صوفے پہ ڈھیر ہوگئے۔ وہ حیرت زدہ تھے آج اس کا انتخاب بدل کیوں گیا حالانکہ سالوں پہلے تو یہ قرعہ فال ان کے نام نکلا تھا مگر وہ غلط تھے۔ یہ قرعہ فال ان کے نہیں فقط رشتے کے نام نکلا تھا۔

ملک تیمور اور شیریں کی شادی ان کے والدین کی پسند سے ہوئی تھی۔ شیریں تو اپنے نام کی طرح زبان کی بھی شیریں تھیں جو کوئی مل لیتا کبھی اس کو بھلا نہ پاتا۔ بھول تو ملک تیمور بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ جس طرح ہر شخص پہ طنز کے نشتر چلاتے مدمقابل اس سے بچنے کی کوشش میں بھی لہولہان ہو جاتا۔ ملک تیمور نے والد کے انتقال کے بعد سارا کاروبار خود ہی سنبھالا تھا۔ چھوٹی عمر میں ضرورت سے زیادہ بھاری بوجھ نے ان کے کندھوں کو شل کر دیا تھا۔ کئی رشتے داروں نے ایسی صورت حال میں کاروبار ہتھیانے کی کوشش کی مگر ملک صاحب والد کی وراثت کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن گئے تھے۔ لوگوں کے منفی رویوں نے نہ صرف انہیں سخت جان بنا دیا تھا بلکہ وہ زبان کے بھی کڑوے ہوگئے تھے۔ والدہ نے بارہا سمجھایا کہ اتنا سخت اور پتھر دل نہ بنو یہ صفت انسانوں کو نہیں پتھروں کو ہی زیب دیتی ہے مگر وہ اپنی روش پہ قائم رہے۔

شیریں ان کے آنگن میں بہار بن کر اتری تھی۔ وہ ان کی چچا زاد تھی۔ چچا نے کاروبار کے سلسلے میں بھی ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ زندگی دبے پاؤں گزر رہی تھی جب مراد اور مرحا کی آمد نے ان کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ مرحا مراد سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ بیٹی میں تو ملک تیمور کی جان تھی۔ جب تک مراد اکلوتا تھا تو ملک تیمور اتنے ذمہ دار اور حساس نہ تھے مگر بیٹی کی پیدائش کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے جتنے نرم دل تھے دوسرے لوگوں کے لیے اتنا ہی سخت اور مزاج کے کڑوے تھے۔ مرحا کی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ شیریں سے خوب سوال و جواب کیے جاتے۔

''آج یہ دوپہر میں سوئی کیوں نہیں؟''

''مہمان آگئے تو کیا بچہ آرام نہ کرے؟''

کبھی کہتے ''اسے چوٹ کیسے لگ گئی یقیناً تم نے ہی اس کا خیال نہ رکھا ہوگا۔''

شیریں چونکہ ان کی فطرت سے واقف تھی جبھی نہایت تحمل اور صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتی۔ اس کی والدہ نے اس کی تربیت ہی ایسی کی تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پہ نہ لیتی۔ ملک صاحب جتنا مرحا کے لیے پریشان رہتے، مراد بھی اتنا ہی اپنی بہن کا خیال رکھتا تھا۔ لڑائی جھگڑا تو ویسے بھی وہ دونوں نہ کرتے تھے مگر وہ بھی مرحا کو کانچ کی گڑیا کی طرح سنبھال کر رکھتا تھا۔

وقت گزرتا گیا، مراد شادی کر کے ان کے کاروبار کے سلسلے میں ہی ملک سے باہر چلا گیا۔ ہر چھ ماہ بعد وہ بیوی بچوں کے ساتھ چکر لگاتا تو گھر میں رونق ہو جاتی تھی۔ مرحا کی شادی کا فیصلہ ملک تیمور کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ تھا۔ رشتے کے لیے آنے والے ایک ایک فرد سے ملک صاحب نے بالمشافہ ملاقات کی۔ کوئی ایک بھی لڑکا ان کی نظر میں جچا نہ تھا۔ کوئی خاندانی نہ تھا تو کوئی شکل صورت میں کم لگتا۔ کسی کے گھر میں عیب دکھائی دیتا کسی کے گھر والوں میں۔ کئی رشتے مسترد کرنے کے بعد فیصلہ بالآخر ملک شہوار کے حق میں فیصلہ ہوگیا تھا۔

وہ ان کے ایک کاروباری حلیف کا بیٹا تھا۔ کاروبار، خاندان، رکھ رکھاؤ، شکل و صورت میں وہ واقعی مرحا کے ہم پلہ تھا۔ مرحا عادات میں بالکل اپنی والدہ کا پرتو تھی۔ والدہ نے کبھی ملک صاحب کے رویے کا شکوہ اپنی اولاد سے نہ کیا تھا مگر کئی سال پہلے ہونے والے ایک حادثے نے ان کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ حادثہ ہی تو تھا جو اپنے ساتھ کئی رشتے لے گیا تھا۔ آہستہ آہستہ سب بہتر ہوگیا رشتے بحال ہوگئے مگر وہ غم شیریں بیگم کے دل میں کھب کر رہ گیا تھا۔

مرحا کی شادی بہت دھوم دھام سے کی گئی تھی۔ کتنے ہی دن شادی کی تقریبات چلتی رہیں۔ چاند سورج کی اس جوڑی پہ سب لوگ رشک کرتے۔ ملک شہوار تو پہلی نظر میں ہی مرحا پہ دل ہار بیٹھا تھا۔ اس

سے شادی کے بعد وہ خود کو خوش قسمت ترین شخص سمجھتا۔ مرحا اس کی زندگی میں بہار بن کر آئی تھی۔ کچھ ماہ تک تو سب کچھ خوش اسلوبی سے چلتا رہا مگر حالات اس وقت خراب ہونے لگے جب ملک تیمور کی مداخلت ان کی زندگی میں بڑھتی گئی۔

پہلے پہل وہ مرحا کو کئی کئی دن اپنے پاس بلا لیتے تو شہوار تلملا کر رہ جاتا۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی محبوب بیوی سے ملنے پہنچتا تو کبھی وہ گھر پہ نہ ہونے کا بہانہ کر دیتے یا ملاقات ہو بھی جاتی تو وہ مستقل مرحا کے ساتھ رہتے۔ وہ اپنی بیوی سے اپنی شدتوں کا اظہار کیے بغیر ہی چلا جاتا۔ جب وہ شہوار کے ساتھ ہوتی تو بار بار مرحا کو چھو کر دیکھتا۔ اس کے ہاتھوں کی نرمی کو محسوس کرتا۔ اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں پہ رکھ کر اس سے باتیں کرتا رہتا۔ مرحا اس پاگل پن پہ شرمسار ہو جاتی۔

''تم مجھ سے دور تو نہیں جاؤ گی؟'' وہ بار بار پوچھتا۔ کبھی گھنٹوں اسے اپنے کمرے سے نکلنے نہ دیتا۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں مجھ سے کوئی چھین لے گا۔'' ایک دن وہ اپنے دل کا حال کہہ بیٹھا تھا۔

''بھلا کون؟'' وہ حیران ہوئی۔ بار بار اس بات کے ذکر کرنے پہ وہ بھی جواباً پوچھ بیٹھی۔

''تمہارے والد۔'' جواب بے ساختہ تھا جبکہ مرحا بری طرح چونکی تھی۔ وہ بچپن سے اپنے والد کی محبت اور حساسیت سے واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شادی بھی اس کی والدہ اور لوگوں کے اصرار پہ کی گئی ہے ورنہ ملک تیمور کا دل چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی کو لے کر کہیں گوشہ نشین ہو جائیں۔ وہ گھر جاتی تو وہ اپنے سب کام چھوڑ کر اسی سے باتیں کرتے رہتے۔ اس کا ہاتھ تھام کر بار بار اس سے یہی کہتے۔

''کبھی شہوار تمہیں تنگ کرے یا تکلیف دے تو بتانا میں تمہیں ایک لمحے میں اپنے پاس لے آؤں گا۔'' وہ اب تک اسے اپنے باپ کی محبت سمجھتی رہی تھی مگر اب یہ محبت اس کے محبوب کی محبت میں حائل ہونے لگی تھی۔ وہ اپنے والد کی فطرت کے متعلق شہوار کو بتا چکی تھی تب ہی وہ ان سب باتوں پہ صبر کے گھونٹ پی لیتا تھا۔

❁......❁......❁

مرحا کچھ دن سے شہوار کو پریشان دیکھ رہی تھی وہ پوچھتی تو وہ ٹال جاتا کہ کاروباری مسئلہ ہے اور واقعی ایسا تھا مگر یہ مسئلہ اس کے والد کے ساتھ ہوگا وہ یہ نہ جانتی تھی۔ کوئی ٹینڈر اس کے والد کی کمپنی کو ملنا تھا جو شہوار کی کمپنی کو مل گیا تھا۔ یہ اتنی بڑی بات نہ تھی جتنی ملک تیمور نے بنالی تھی۔ مرحا میں ان کی جان بستی تھی مگر اپنی ہی پسند کا داماد اب انہیں اپنا حریف لگنے لگا تھا جو نہ صرف ان کی بیٹی اپنے گھر لے گیا تھا بلکہ اب ان کا کاروبار بھی اپنے نام کروا رہا تھا۔

مرحا کو آج انہوں نے خصوصی دعوت پہ مدعو کیا تھا۔ شہوار بضد تھا کہ وہ نہ جائے مگر مرحا انکار نہ کر پائی۔ راستے میں بالآخر شہوار نے اسے ساری بات بتا دی تھی۔ نجانے کیوں وہ بے یقینی کی سی کیفیت کا شکار تھا۔ اسے لگتا تھا وہ جا تو رہا ہے مگر واپسی مرحا کے ساتھ نہ ہو سکے گی۔

''دیکھو مرحا میں نہیں چاہتا تھا کہ تم پریشان ہو مگر تمہارے والد کئی بار مجھے فون کر کے دھمکیاں دے چکے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں یہ ٹینڈر میں انہیں دے دوں اسے انہوں نے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔ میں ایسا کر بھی دوں مگر اس میں میرے علاوہ بھی اور لوگوں کی محنت ہے میں ان کو جواب دہ ہوں اور اگر آج میں ان کے آگے جھک گیا تو ہمیشہ ہی مجھے ان کے آگے جھکنا پڑے گا۔'' مرحا اس صورت حال پہ گھبرائی مگر وہ اصل سنگینی سے اس وقت واقف ہوئی جب وہ لوگ کھانا کھا کر گھر واپس آنے لگے تھے۔

''مرحا نہیں جائے گی وہ یہیں رہے گی۔'' ملک

تیمور کی بات پہ مرحا نے بے اختیار شہوار کو دیکھا جبکہ شہوار خود بھی جانتا تھا کہ آج انہوں نے فیصلے کے لیے ہی مدعو کیا ہے۔ آر یا پار۔

''جی مرحا کا گھر ہے، وہ جتنے دن چاہے رہ سکتی ہے۔'' شہوار نے دل پہ پتھر رکھ کر سعادت مندی سے کہا۔

''کچھ دن کے لیے نہیں ہمیشہ کے لیے۔'' انہوں نے ''ہمیشہ'' پہ زور دیتے تکبر سے کہا تو شیریں بیگم نے حیرانی سے ان سب کو دیکھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ جو سب کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا وہ ملک صاحب دوبارہ دہرائیں گے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ماضی کے منظر دوڑنے لگے۔ فیصلہ تو آج بھی ہوگا مگر کیا ملک صاحب سہہ پائیں گے؟ ماضی کا تکلیف دہ ورق سامنے آ گیا تھا۔

❁......❁......❁

گھر میں ڈھولک کی آواز گونج رہی تھی۔ ڈھولک کی تھاپ پہ رقص کرتی لڑکیاں کبھی ہنستیں، کبھی رقص کرتے کرتے رک جاتیں۔ شادی کی تیاریوں میں خوب گہما گہمی مچی ہوئی تھی۔ شیریں بھی مراد اور مرحا کے ساتھ بہن کی شادی کے لیے پہلے سے رہنے آ گئی تھی۔ بچوں کے بعد پہلی بار وہ اتنے دنوں کے لیے اپنے والدین کے گھر آئی تھی۔ کچھ گھر دور ہونے کے باعث اور کچھ ملک تیمور کے غصے کی بدولت بھی وہ زیادہ دن میکے رہ نہ پاتی۔ آج کل تو وہ بہت خوش تھی۔ دو دن بعد مہندی کی رسم تھی۔ وہ اپنے کمرے سے مہندی کا تھال لیے سیڑھیوں سے اتر رہی تھی کہ سامنے ملک تیمور کو کھڑا دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئی۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

''آپ یہاں خیریت......وہ......'' الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب ان کے پیچھے مرحا کی صورت دکھائی دی۔ مرحا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جبکہ اس کے ہونٹ سے کافی خون بہہ رہا تھا۔ شیریں تھال رکھتی فوراً مرحا کے پاس آئی۔

''اب ہاتھ نہ لگاؤ اسے، اپنی بہن کی شادی میں تمہیں اپنی اولاد تک بھول گئی۔'' وہ دھاڑے تو شیریں نے گھبرا کر مرحا کو دیکھا جو چوٹ سے زیادہ والد کے غصے سے سہم گئی تھی۔

شیریں کمرے میں تھی اور تمام بچے لان میں تھے۔ وہاں کھیلتے مرحا کو کسی بچے نے دھکا دیا اور وہ گر گئی تھی۔ اسی وقت ملک تیمور گھر میں داخل ہوئے تھے۔ آنا تو مہندی والے دن تھا مگر مرحا سے ملنے پہلے ہی چلے آئے اور سامنے کے منظر نے ان کے حواس جیسے مفلوج کر دیے تھے۔ شیریں نے مرحا کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تو ملک تیمور نے اسے روک دیا تھا۔

''جب تم اپنی بچی کا خیال نہیں رکھ سکتیں تو میں اسے لے جاتا ہوں، تم بے فکر ہو کر شادی کی تیاریاں کرو۔'' وہ مرحا کو ساتھ چمٹائے طنزاً بولے تو شیریں شرمسار ہو گئی تھیں۔ اس کے والدین، بہن بھائی، مہمان سب ہی اس ہنگامے پہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ شادی والے گھر میں سب کو سانپ سونگ گیا تھا۔

سب کے سامنے اس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا بے تحاشا مشکل تھا۔ وہ شرمندگی سے اپنے والدین اور مہمانوں کا سامنا نہ کر پا رہی تھی۔ اپنے شوہر کے غصے اور بیٹی کے لیے بے جا حساسیت نے آج یہ دن دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''آپ مجھے مرحا کو دیکھنے تو دیں، بچے ہیں کھیل، کھیل میں لگ جاتی ہے کبھی چوٹ۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تیمور تسلی سے بات کرو، کوئی بڑی بات نہیں۔ شادی والا گھر ہے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ اس طرح بدمزگی کا کوئی فائدہ نہیں۔'' پہلی بار اس کے والد نے آگے بڑھ کر شیریں کی حمایت کی مگر ملک تیمور غصہ کی آگ میں چچا کا لحاظ بھی بھلا بیٹھا تھا۔

''آپ کے لیے یہ چھوٹی بات ہوگی میرے نزدیک نہیں ہے۔ لوگوں کو اپنی اولاد سے اتنا پیار نہیں ہوتا ہوگا جتنا مجھے ہے۔'' وہ بری طرح گرجا تھا۔ ذرا سی بات پہ اتنا ہنگامہ دیکھ کر تمام گھر والے پریشان ہو گئے تھے کہ کس طرح تیمور کو ٹھنڈا کریں جو کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

''تیمور آپ بیٹھیں ہم تسلی سے......''

''کسی تسلی کی ضرورت نہیں۔ میں مرحا کو ساتھ لے جا رہا ہوں، اب تم فیصلہ کرو کہ یہیں رہو گی ہمیشہ یا میرے ساتھ جاؤ گی؟'' ہمیشہ کے لفظ نے وہاں کھڑے ہر شخص کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ چھوٹی سی بات پہ بیوی کو چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی تھی۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں آج تمہیں اپنے باپ اور اپنے شوہر میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ بولو کون ہے تمہارا انتخاب؟''

''ایسا مت کریں۔'' اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو بلک بلک کر رو دی تھی۔

مرحا کو اس ہنگامے میں اپنی چوٹ کا درد بھول گیا تھا۔ ہونٹ سے بہتا خون تو اب خشک ہو کر پپڑی کی مانند جم گیا تھا۔ آٹھ سال کی بچی کو سمجھ نہیں آیا کہ بھلا ہمیشہ کے لیے گھر جانے پہ امی اس قدر رو کیوں رہی ہیں۔ وہ انہی کا گھر تو تھا۔

''بولو شیریں آج فیصلہ کرو، تمہارے نزدیک کس کی اہمیت ہے میری یا اس گھر کی......؟'' شیریں نے اپنی والدہ کی جانب دیکھا جنہوں نے شادی کے وقت ایک ہی بات کہی تھی۔ کبھی شوہر اور والدین میں سے کسی ایک کو چننا پڑ جائے تو شوہر کو چن لینا۔ ہمارا خون کا رشتہ ہے مر کر بھی ختم نہیں ہوگا۔ اس شخص سے دو بول کا رشتہ ہے چھوٹ گیا تو کبھی جڑ نہ پائے گا۔ اپنے والد کے پاس جا کر وہ فقط اتنا بولی تھی۔

''ابا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' مرحا کا ہاتھ تھامے وہ گھر کی دہلیز پار کر گئی تو ملک تیمور کی اکڑ میں

naeyufaq.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
نئے اُفق
کراچی
شائع ہوگیا ہے
لفظ لفظ ہنگامے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیب...... کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس پردیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)
Info@naeyufaq.com
(021)35620771/2

اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے فاتحانہ انداز میں ایک نظر وہاں موجود افراد پہ ڈالی اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

مہندی پہ تو شیریں نہ جا سکی البتہ بہن کی رخصتی پہ چند گھڑی کے لیے غیروں کی طرح ملنے کی اجازت مل گئی تھی۔ ملک تیمور نے شادی میں شرکت نہ کر کے اپنی فتح کا جشن منایا تھا۔ اسے فخر تھا کہ بیوی نے باپ کے مقابلے میں اسے فوقیت دی تھی حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

❁......❁......❁

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے انکل، مرحا بیوی ہے میری......'' شہوار کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔

''ہوگا ضرور ہوگا، اچھے سے اچھے کی تلاش میں کتنے ہی رشتے میں نے ٹھکرائے۔ تمہیں اپنی ہیرا سی بیٹی دے دی کیا اتنا کافی نہیں تھا جو تمہیں کاروبار میں بھی مجھ سے حصہ چاہیے۔'' وہ آج بھی اسی لہجے میں بول رہے تھے۔

''انکل آپ کاروبار کو رشتے سے الگ رکھیں، مرحا میرا سب کچھ ہے، آپ اسے مجھ سے جدا نہ کریں۔ آپ زیادتی کر رہے ہیں میرے ساتھ۔''

''بس بہت ہو گیا۔ آج تمہیں ہم دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔'' وہ تکبر کے ساتھ اپنی بات منوانے کے زعم میں اکڑ کر کہہ رہے تھے۔

مرحا نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ ایک لمحے کو دونوں کے چہرے دھندلا گئے تھے۔ بھلا ایسا بھی وقت آتا ہے کہ دو محبوب رشتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑ جائے۔

''ایسا مت کریں میرے ساتھ۔'' اس نے انہیں منانے کی کوشش کی مگر وہ ملک تیمور ہی کیا جو کبھی کسی کی بات مان لیں۔

''فیصلہ کرو کون ہے تمہارا انتخاب یہ شخص یا میں؟'' انہوں نے کندھوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑا، سالوں پہلے کا منظر اس کی یادداشت کے پردے پہ ابھرا تھا۔

وہ اپنی ماں کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ چکی تھی۔ وہ اپنے دل سے سوال کرتی تو یقیناً اس کا فیصلہ مختلف ہوتا۔ وہ ان لمحات کو یاد کرتے ہی ایک لمحے کو چونکی اور دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ سالوں پہلے اس کی ماں بھی تو اسی کیفیت سے گزری تھی۔

''ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔'' مرحا کے الفاظ نہیں تھے پگھلا ہوا سیسہ تھا جو ان کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا۔

وہ اپنی محبت کا ہاتھ تھامے ان کی نظروں سے اوجھل ہوئی تو ملک تیمور اپنے قدموں پہ کھڑے نہ رہ پائے اور وہیں صوفے پہ ڈھیر ہو گئے۔ وہ حیرت زدہ تھے آج ان کا انتخاب بدل کیوں گیا حالانکہ سالوں پہلے تو یہ قرعہ فال ان کے نام نکلا تھا مگر وہ غلط تھے۔ یہ قرعہ فال ان کے نہیں فقط رشتے کے نام نکلا تھا۔ اپنے شوہر سے دو بول کے کچے رشتے کے نام۔

سالوں بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ غلط تھے، ان کی سوچ بالکل غلط تھی اور وہ درد جو آج برداشت کر رہے ہیں سالوں پہلے ان کے چچا نے بھی برداشت کیا ہوگا۔ وہ تو یہ بھی بھول گئے تھے کہ کئی سال پہلے شیریں نے بھی تو اپنا گھر اور رشتہ بچانے کی خاطر اپنے سگے باپ کو چھوڑ دیا تھا تو مرحا بھی تو اسی عورت کی بیٹی تھی جس نے آج اپنا گھر بچانے کی خاطر شوہر اور باپ کے مابین فقط ''رشتے'' کا انتخاب کیا تھا اور یہ انتخاب بالکل درست تھا۔ وہ شرمندہ تھے آج ان کی آنکھیں ان کی بیٹی نے کھول دی تھیں۔

www.naeyufaq.com